قرآن فہمی کے تقاضے اور مشکلات

(مقدمہ تفسیر ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

Technicalities and Problems in the Understanding of the Text of Holy Qur'(An Analysis in the Light of the Tafseer Tarjaman-Ul-Qur'an from Maulana Abul Kalam Azaad)

Kashif Ali
M.Phil Scholar, Dept. of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University, Mardan, Pakistan:
kashifawkum689@gmail.com
Syed Yasir bacha
M.Phil Scholar, Dept. of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University, Mardan, Pakistan:
dawbandjanhamari@gmail.com

Saif ullah
M.Phil Scholar, Dept. of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University, Mardan, Pakistan:
yasirb70@gmail.com

Abstract:

The present study focuses on the technicalities about various interpretations and meanings of the text of Holy Qur'an in the light of the renowned work "Tarjuman-Ul-Quran" by Maulana Abul Kalam Azaad. Maulana Abul Kalam Azaad has explained and presented this complex issue very vividly in 14 points. This is an analytical study in which data is gathered from secondary sources; books, articles and online sources. Abul Kalam Azaad argues that we need to understand the text of the Qur'an in its true and natural essence. He argues that we can only understand the essence of the Quran under the given condition. One such example is the work of "*Salf*" which focuses on the natural essence of the text and the language that is used. But in some recent works in the discipline the entire focus is shifted to the interpretation rather than the actual meaning of the text, looking into it in the prism of emerging ideas, the portrayal of personal biases in the noble literature of the discipline, and cross-comparison of the meaning of the Qur'an to

modern-day researches. The present thesis argues that the mentioned approaches has made the understanding of the message of the Qur'an very hard for mass population, if not impossible.

Keywords: Molana Abul Kalam Azad, Tarjuman Ul Qur'an, Fahm Ul Qur'an, *Israeeleyat*, Tafseer bil Rai.

تعارف

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن ہی دراصل وہ واحد کتاب ہے جس میں انسانیت کی فلاح و کامرانی کا راز پوشیدہ ہے۔ ایک انسان اگر غیر جانبدارانہ طور پر اس کا مطالعہ کرلے تو وہ دنیا اور اس کی زندگی کی حقیقت سمجھ سکتا ہے۔ خود قرآن کریم بار بار بنی آدم کو پکارتا ہے کہ اس کتاب میں غور و فکر کرو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا[1]"

"بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا"[2]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔"

الغرض قرآن کا نزول ہی اس لیے ہوا ہے کہ بنی آدم اسے پڑھ کر سمجھ سکے اور پھر اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں فلاح پا سکے۔ لیکن عصر حاضر میں مسلمانوں کا قرآن کریم سے دوری اور فہم قرآن میں حائل مشکلات ایک ایسا کثیر البحث موضوع ہے جسے حل کرنے کے لیے ہر مفسر نے کوششیں کیں۔ دہائیوں سے پرورش پانے والے یہ اسباب جو مسلمانوں کو قرآن کی حقیقی مفہوم سے دور رکھے ہوئے ہیں، کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے مقدمہ تفسیر میں نہایت جامع انداز میں پیش کیے ہیں۔ زیر نظر صفحات میں انہی اسباب کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

[1] محمد، 24:47

Muhammad, 47: 24

[2] النساء، 82:04

Āl- nisāʾ 04 : 82

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے نزدیک صدیوں سے اس طرح کے اسباب ومؤثرات نشو نما پاتے رہیں جن کی وجہ سے بتدریج قرآن کی حقیقیت نگاہوں سے مستور ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ اس کے مطالعہ و فہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہو گیا۔ یہ پستی صرف معانی و مطالب ہی میں نہیں ہوئی بلکہ ہر چیز میں ہوئی، حتیٰ کہ اس کی زبان، اس کے الفاظ ،اس کی تراکیب اور اس کی بلاغت کے لیے بھی نظر و فہم کا کوئی بلند معیار باقی نہیں رہا![3]

مولانا مرحوم کے متعلقہ نکات پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ آپؒ کا مختصر تعارف پیش کیا جائے اور ان کی زندگی پر طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد:

اصل نام محی الدین احمد جب کہ پورا نام "ابوالکلام محی الدین احمد آزاد" تھا۔ آپ 11 نومبر 1888ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد خیر الدین تھا جب کہ والدہ کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب جمال الدین افغانی سے جا ملتا ہے۔

مولاناؒ کا بچپن مکہ و مدینہ کی پر رونق محلوں میں گزرا اور ابتدائی تعلیم وہاں پر اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی۔ 1903ء میں درس نظامی سے فارغ ہوئے۔ آپ کی قابلیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ محض پندرہ سال کی عمر میں آپ نے ماہوار جریدہ "لسان الصدیق" جاری کیا۔ آپ کی وفات 22 فروری، 1958ء میں 69 سال کی عمر میں ہوئی۔ مزار مبارک جامع مسجد دہلی کے سامنے اردو پارک میں ہے۔ آپؒ ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم ہیں اس لیے ہندوستانی آپ کے پیدائش کے دن یعنی 11 نومبر کو یوم تعلیم کے طور پر مناتے ہیں۔[4]

تفسیر ترجمان القرآن:

تفسیر ترجمان القرآن مولا ابوالکلام آزاد کا ایک عظیم کارنامہ ہے کیونکہ مولاناؒ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے سیاسی رہنما ہیں اور ظاہر ہے کہ اُس وقت کی سیاسی جدوجہد میں "ترجمان القرآن" کا لکھنا ایک عظیم کارنامے سے کم نہیں۔ اسی مناسبت یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ آپ برصغیر کے نہ صرف سیاسی بلکہ ایک عظیم مذہبی

---

[3] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:45
mwlānā ābwālklām āzād،trğmān ālqrٰn(lāhore,ārdwbāzār, ālfḍl market)V:01, P.45

[4] مولانا ابولاکلام آزاد، غبارِ خاطر، (لاہور، حافظ جمیل پریس، 2005ء) ص:36
mwlānā ābwlāklām āzād, ġbārkẖāṭr(lāhore, ḥāfẓ ğmyl press, 2005) p.36

راہنما بھی ہیں۔ تفسیر کے مقدمہ میں ترجمان القرآن کے حوالے سے مفصل بحث کی ہے کہ کس طرح مصروفیات اور قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ کتنی بار تفسیری نسخے ضبط کیے گئے، کتنی بار نسخے ضائع ہوئے لیکن اس مردِ استقامت نے پھر سے اسے از سر نو ترتیب دیا اور آپ کے اس شوق اور ولولے میں کوئی چیز حائل نظر نہیں آئی۔ اس کتاب کی تکمیل میں حضرت کو تقریباً ستائیس (27) برس کا عرصہ لگ گیا اور بلآخر 1931ء میں یہ پہلی بار منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب تین (3) ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

منہج:

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تفسیر "ترجمان القرآن" میں اسلاف کے مجتہدانہ منہج کی تقلید کی ہے۔ اور اسی منہج کو مقدیٰ بنا کر اپنے زمانے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ منہج کے بارے میں مولا قاسمی صاحب کچھ یوں لکھتے ہیں:

"مولانا آزاد نے دینی افکار کی تشریح محدثین سلف کے طریقہ کے مطابق کر کے اسلام کے بنیادی افکار وحی و نبوت اور نبوت کے حقائق اور وحدت دین کی تشریح ولی اللہی فکر کے مطابق، حضرات صحابہ کے دینی مقام و مرتبہ اور تفسیر قرآن میں سلف کرام کے اصولی دائرہ کی پابندی وغیرہ، دین کے مباحث پر روشنی ڈالی۔ ترجمان القرآن کے فکری مباحث کی روح اسی منظر میں واضح ہوتی ہے۔"[5]

قرآن فہمی کے تقاضے اور مشکلات:

مولاناؒ نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں چودہ (14) ایسے اسباب و مؤثرات کا ذکر کیا ہے جو فہم حقیقت میں مانع ہیں۔

(1) قرآن فطرت کے بجائے صناعی اور وضعی سانچوں میں:

آپؒ نے پہلا سبب یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کو اس کے فطری طریقہ پر نہ چھوڑا گیا بلکہ اسے صناعی اور وضعی طریقوں کا محتاج بنا دیا گیا جس سے اس کی حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہوتی رہی۔ چنانچہ قرآن کے اسلوب بیان، زبان، بلاغت، طریقہ استدلال الغرض ہر بات کے مطابق آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں ہماری سمجھ

---

[5] اخلاق حسین قاسمی، ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ (نئی دہلی، مولانا آزاد اکیڈمی، 1993ء) ص:29
āẖlāq ḥsyn qāsmy, trğmān ālqrān kā tḥqyqy mṭālʿh, (Dilli, mwlānā āzād ācdemy1993) p.29

میں اس لیے نہیں آسکتی کیونکہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے۔اور ہم چاہتے ہیں کہ اسی کے مطابق اس کا وزن کر سکیں۔[6]

اس پر اگر غور کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدا میں جوں جوں قرآن مجید نازل ہوتا رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین اس کی حقیقت کو پالیتے تھے کیونکہ ابھی تک قرآن کے لیے وضعیت کا جامہ تیار نہیں ہوا تھا لہٰذا قرآن اپنے شکل و معنی میں جیسا کہ نازل ہوا تھا ٹھیک ایسا ہی ان کے دل و دماغ میں اتر گیا اور ان کو قرآن کے فہم و حقیقت میں کسی بھی قسم کی دشواری نہ ہوئی۔ لیکن جوں جوں وضعیت کے سانچے تیار ہوتے گئے قرآن اپنی فطرت سے جیسا کہ نازل ہوا تھا، دور ہوتا رہا جس کی بدولت اس کی حقیقت سمجھنے میں دشواری ہوئی۔اب اس کا آسان حل آپؒ نے یہ بیان کیا ہے:

"وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے، قرآن کی حقیقت اُبھرتی آئے گی[7]۔"

لیکن یہاں پر ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ علوم اسلامیہ کی تدوین بھی بہت ضروی تھی اور ان قاعدوں کے بغیر عوام کی اکثریت کی بے راہ روی کا خطرہ بہر صورت موجود تھا۔

(2)خلف، سلف کے مقابلے میں آگئے:

مولانا کے نزدیک ان عوامل میں دوسرا عامل خیر القرون سے متاخرین کے وہ اختلافات ہیں جنہوں نے قرآن کے حقیقی معنی و مفہوم کو پردوں میں چھپادیا۔

اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے قرآن کا کوئی ایک مقام لے لو،پہلے اس کی تفسیر صحابہ و تابعین کی روایات میں ڈھونڈو۔ پھر بعد کے مفسروں کی طرف رخ کرو،اور دونوں کا مقابلہ کرو۔صاف نظر آجائے گا کہ صحابہ و سلف کی تفسیر میں معاملہ بالکل واضح تھا۔بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اسے کچھ سے کچھ بنادیا،اور اُلجھاؤ پیدا ہوگئے۔[8]

---

[6] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (اردو بازار، الفضل مارکیٹ، لاہور، سن اشاعت: نامعلوم) ج:01، ص:47
mwlānā ābwālklām āzād, trğmān ālqrān(lāhore, ārdw bāzār, ālfḍl mārket)v.01, p.47

[7] ایضاً
Ibid

[8] ایضاً، ص:48
Ibid, P.48

کسی کتاب کے صحیح مطلب کو وہی لوگ ٹھیک طرح سے سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے خود صاحبِ کتاب سے اس کا مطلب سمجھا ہو۔ صحابہ کرام چونکہ خود نبیؐ کے شاگرد تھے چنانچہ انہیں جو بھی مسئلہ پیش آتا تو براہ راست آپ سے اس کا استفسار کر لیتے اور یوں کسی قسم کے شک شبہ میں پڑے بغیر ہی معاملہ حل ہو جاتا۔ اس کو مزید تفصیل سے سمجھانے کے لیے آپؒ نے ایک مثال دی ہے جس کا خلاصہ یہاں پر مختصر انداز میں بیان کیا جا رہا ہے:

آپ بیان فرماتے ہیں کہ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاة ۔۔۔ الخ سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنھما کا مراد اور مقصود عرب کے اہلِ ایمان ہیں اور وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۔۔۔ الخ سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔ لیکن بعد کے مفسرین نے اس حوالے سے مزید بحثیں پیدا کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ کے مطلب کی نشست بگڑی۔

(3) تفسیر قرآن اور اسرائیلیات:

اس نکتہ پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم تفسیر اور اسرائیلیات کے حوالے سے جاننے کی کوشش کریں:

تفسیر اور علم تفسیر:

لفظ "تفسیر" دراصل "فسر" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "کھولنا"، اور اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کھول بیان کیا جاتا ہے، اس لیے اسے "علم تفسیر" کہتے ہیں۔[9]

اسرائیلیات:

"اسرائیلیات" یا "اسرائیلی روایات" جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔"[10]

اس کی پھر تین قسمیں ہیں جسے صاحب "علوم القرآن" یعنی مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے جس کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں اور پھر ہر ایک کا حکم بھی الگ الگ ہے:

---

[9] مفتی تقی عثمانی، علوم القرآن (کراچی، مکتبہ دارالعلوم، طبع جدید: 2010ء) ص: 323
mfty tqy ʿt̲māny, ʿlwm ālqrān(karāchi, mktbh dārlʿlwm, 2010)p.323

[10] ایضاً، ص: 345

Ibid, P.345

1۔پہلی قسم وہ ہیں جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائی سے ہو چکی ہو، جیسا کہ فرعون کا غرق ہو جانا، موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ اور آپ علیہ السلام کا کوہِ طور پر جانا وغیرہ۔اس کا حکم یہ ہے کہ یہ قابلِ اعتبار ہیں۔

2۔دوسری قسم وہ ہے جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہے، جیسا کہ معاذاللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اخری عمر میں بت پرست ہو جانا یا دوسرے نبیوں کو جھوٹ وافترا کا نشانہ بنانا وغیرہ۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ قطعی طور پر قابلِ اعتبار اور قابلِ قبول نہیں۔

4۔تیسری قسم وہ ہے جو خارجی دلائل سے سچ ثابت ہوئے ہوں نہ ہی جھوٹے، جیسا کہ تورات وغیرہ کے احکامات وغیرہ۔"ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار ہو یعنی نہ ان کی تصدیق ہو اور نہ ہی تکذیب"۔[11]

مولانا ابوالکلامؒ کے نزدیک نو مسلم اقوام کے قصے کہانیاں اور خصوصا اسرائیلیات تفسیر میں برابر سرائیت کرتے رہے ہیں چنانچہ وہ رقم طراز ہیں کہ:

"نو مسلم اقوام کے قصص و روایات اول دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ان میں سے اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص و روایات و خرافات) کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے مخفی اثرات دور دور تک سرائیت کر چکے تھے، اور وہ برابر جسمِ تفسیر میں پیوست رہے۔"[12]

مولانا مرحوم کے اس قول کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس کے حق میں مفتی تقی عثمانی صاحب بھی کچھ اس طرح رقم طراز ہیں کہ:

"تفسیر کی مروجہ کتابوں میں ایسی (اسرائیلی) روایات کی ایک بھاری تعداد موجود ہے۔"[13]

(4) تفسیر کے غیر محتاط جامعے:

مولانا مرحوم کے نزدیک تفسیر کو اس لیے بھی نقصان پہنچا کہ غیر مستند روایات کو کسی نہ کسی طریقے سے تبع تابعین کی طرف منسوب کر دیا گیا چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

---

[11] ایضاً

Ibid

[12] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:49

mwlānā ābwālklām āzād, trğmān ālqrān(lāhore, ārdw bāzār, ālfḍl mārket)v.01, p.49

[13] مفتی تقی عثمانی، علوم القرآن (کراچی، مکتبہ دار لعلوم، طبع جدید:2010ء) ص:323

mfty tqyʿṯmāny,ʿlwm ālqrān(karāchi, mktbh dārlʿlwm, 2010) p.323

"ایک طرف تو صحابہ وسلف کی روایات سے تغافل ہوا، دوسری طرف روایات تفسیر کے غیر محتاط جامعوں نے الگ آفت بپا کر دی، اور ہر تفسیر کا سرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا، سلف کی تفسیر سمجھی گئی۔"[14]

اگر اسی نکتے کی روشنی میں ہم غور کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی علماء کے اختلاف کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ یعنی وہ ہر ایک آیت کی تفسیر کو کسی نہ کسی شخصیت سے بہر صورت ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر انہی خود ساختہ اصولوں پر کاربند نظر آتے ہیں۔

(5) قرآن کا منطقی طریقہ استدلال:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کا طریقہ استدلال ہی تمام بیانات کا مرکز ہے اور اسی سے قرآن کے اشارات اور تمام نکتے کھلتے ہیں۔

آپؒ کے نزدیک قرآن پاک کا طریقہ استدلال کو منطقی بنا دیا گیا ہے اسی سلسلے میں ان کا یہ اقتباس نقل کرنا بے حد ضروری ہے:

"ہمارے مفسروں کو فلسفہ و منطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا کہ کسی حقیقت کو اس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھیں اور قبول کر لیں۔"[15]

آپؒ کے نزدیک کئی مفسروں نے انبیائے کرامؑ کو منطقی بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی:

"انہوں (مفسرین) نے انبیائے کرام کے لیے بڑی فضیلت اس میں سمجھی کہ انہیں منطقی بنا دیں، اور قرآن کی ساری عظمت اس میں نظر آئی کہ اس کی ہر بات ارسطو کے منطق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلے۔ اس سانچے میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے دلائل و براہین کی ساری خوب روئی اور دل نشینی طرح طرح کی بناوٹوں میں گم ہو گئی۔"[16]

---

[14] ایضاً

Ibid

[15] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:49

mwlānā ābwālklām āzād, trğmān ālqrān(lāhore,ārdw bāzār, ālfḍl mārket)v.01, p.49

[16] ایضاً، ج:01، ص:49

Ibid, v.1, p.49

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گویا شکوک وشبہات کا ایک باب کھل گیا جسے بند کرنا اب شاید ناممکن ہے۔ آگے چل کر مولاناؒ نے امام فخر الدین رازیؒ پر کچھ یوں تبصرہ کیا ہے کہ:

"ان (شکوک وشبہات کے دروازوں) کو کھولنے میں تو امام رازی کا ہاتھ بہت تیز نکلا، لیکن بند کرنے میں تیزی نہ دکھا سکے۔"[17]

(6) جدید مصطلحات اور تفسیر پر اس کا اثر:

"مصطلحات" دراصل "مصطلح" کی جمع ہے۔ اصطلاح میں "مصطلح" کسی فن یا شعبے کی وہ کتاب ہوتی ہے جس میں اس فن یا شعبے کی اصطلاحات اور ان کے معانی درج ہوں۔[18]

جب قرآن کے طریق استدلال کو خوامخوا منطقی بنادیا گیا تو اس سے بحث ومباحث کا ایک باب کھل گیا اور اس بحث سے پھر طرح طرح کی مصطلحات پیدا ہو گئیں۔ اور عربی کے الفاظ ان مصطلحات و معانی میں مستعمل ہونے لگے۔ نزول قرآن کے وقت چونکہ عربی زبان ان منطقی و فلسفیانہ مصطلحات سے ناآشنا تھی پس جہاں کہیں بھی قرآن میں وہ الفاظ آئیں ہیں، ان کے معانی وہ نہیں ہوسکتے جو وضع مصطلحات کے بعد قرار پائے۔

(7) قرآن کو وقت کی تحقیقات علمیہ سے جوڑنا:

اس نکتے کے اندر یہ بحث کی گئی ہے کہ قرآن کو وقت کی تحقیقات علمیہ کے ساتھ بہر صورت جوڑا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ قرآن کو وقت کے تحقیقات علمیہ کا ساتھ دینا چاہیے۔

چنانچہ آج بھی اکثر فرقوں کا یہی دستورِ عمل ہے کہ وہ اپنے نت نئے نظریات وعقائد کے لیے قرآن کی آیتوں کی اس طرح تاویل و تشریح کرتے ہیں کہ جس سے ان کے نظریات درست ثابت ہوں۔

آج کل کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کے لیے اور خاص کر نوجوان نسل قرآن کی اُس آیت یا اُس بات پر زیادہ یقین کرتی ہے جسے سائنس نے ثابت کیا ہوا ہوتا ہے۔

(8) قرآن کے مرکزی مقاصد کا نظر انداز ہونا:

---

[17] ایضاً، ج:01، ص:49

Ibid, v.1, p.49

[18] مولوی فیروز الدین، فیروز الغات، (لاہور، فیروز سنز، س ن) ص:1255

mwlwy fyrwz āldyn, fyrwz ālġāt (lāhore, fyrwz snz) p.1255

ہر کتاب کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں اور تمام تر تفصیلات انہی مرکزی مقاصد کے گرد گھومتی ہیں اب جب مقاصد ہی نظر انداز کر دیے جائیں اور دیگر بحث و مکالموں میں بندہ لگ جائے تب اس کتاب کا مرکزی موضوع سمجھ میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزادؒ رقم طراز ہیں کہ:

"اس (قرآن) کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، اور جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لیے جائیں، اس کی کوئی بات صحیح طور پر سمجھی نہیں جاسکتی۔"[19]

اس کی تشریح کے لیے مولاناؒ نے ایک مثال دی ہے کہ "وما کان لنبی ان یغل"[20] کی تفسیر سے کیسی کیسی باتیں نکل کر سامنے آئی۔

یعنی جب مرکزی موضوع کو چھوڑ کر غیر ضروری بحث میں مغز کھپائیں گے تو مرکزی موضوع کا تو پھر اللہ ہی حافظ ہوتا ہے۔ آج کل کے زمانے میں اگر ہم دیکھیں تو اکثر اہلِ علم کا یہی عمل ہے۔ راقم کو خود ایک جید مفتی نے یہ بتایا ہے کہ انھوں نے خود ایک فرقے والے سے "وھم لا یشعرون" پر باقاعدہ بحث کی ہے۔ اب اگر جید مفتیان کرام کا یہ حال ہے تو پھر قرآن کے مرکزی موضوع کا نہ جاننا سمجھ میں بآسانی آسکتا ہے۔

(9) عربیت کا ذوق باقی نہ رہا:

قرآن فہمی کے لیے پہلی شرط عربی لغت و ادب کا شوق ہے جو کہ بہت ہی ضروری ہے۔ لیکن آپؒ کے نزدیک بحث و مباحثے کے اس میدان میں یہ شوق بھی ختم ہو کر رہ گیا اور جب عربی زبان و ادب کو سیکھنے کا شوق ہی ختم ہوا تو قرآن کی حقیقت کیوں کر سمجھ میں آسکتی؟ اگر ہمارا مقصد کسی کتاب کا پڑھنا اور اسے سمجھنا ہو تو ظاہر سی بات ہے کہ پہلے ہمیں اس کتاب کی زبان و مزاج سے واقف ہونا پڑے گا تب جا کر ہمیں مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ عصر حاضر اور ماضی قریب میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کو عربی زبان و ادب کا بالکل پتہ نہیں تھا اور بظاہر وہ ایک فرقے کے بااثر افراد میں شمار ہوتے تھے۔

---

[19] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:50
mwlānā ābwālklām āzād, trğmān ālqrān(lāhore,ārdw bāzār, ālfḍl mārket)v.01, p.50

[20] آل عمران: 03:161
Āl-ʿmrān: 03:161

عصرِ حاضر میں انجینئر محمد علی مرزا اس کی زندہ مثال ہیں، جن کے کام پر ملک کے بڑے بڑے علماء اور محققین نے رد کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر حافظ محمد زبیر[21] اور ڈاکٹر محمد مشتاق[22] کے علاوہ دیگر محققین بھی شامل ہیں۔

(10) ہر عہد کا فکری اثر اور تفسیر پر اس کے اثرات:

اس نکتے کی تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ہر ہر عہد کا فکری اثر تفسیر میں بھی کام کرتا رہا جس سے حقیقتِ قرآن اور قرآن فہمی میں کمی واقعہ ہوئی۔

آگے کی تفصیل میں آپ یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہر ایک عہد میں علما و صلحا نے کوششیں کیں کہ اس کے سامنے آہنی دیوار بن سکیں اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب ہو بھی گئے لیکن اثر پھر بھی باقی رہا۔ آگے لکھتے ہیں کہ: "یہاں ضرورت مثالوں کی ہے، لیکن اس کی مثالیں تفصیل طلب ہیں، اور اختصار کا تقاضا اجازت نہیں دیتا۔"[23]

(11) تفسیر میں تحقیق کا فقدان:

چوتھی صدی ہجری کے بعد علوم اسلامیہ کے مجتہدانہ دور کا خاتمہ ہوا۔ چنانچہ ہر طرف تقلید کی راہ ہموار ہوئی اور جو غلطی کسی مفسر سے تیسری صدی ہجری تک نقل ہوئی وہی غلطی اس کے بعد بھی برابر نقل ہوتی گئی اور یہ ضرورت کم ہی محسوس ہوئی کہ تھوڑی دیر کے لیے تقلید سے الگ ہو کر معاملہ کی اصلیت کو تحقیق کے آئینے میں دیکھے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس عنوان کے تحت جو تبصرہ کیا ہے تو اسے یہاں مکمل نقل تو نہیں کیا جا سکتا تاہم اختصار کا تقاضا یہ ہے کہ صرف چند کلمات پر ہی اکتفا کیا جائے۔

آپؒ لکھتے ہیں کہ:

"ہر شخص جو تفسیر کے لیے قدم اُٹھاتا تھا، کسی پیش رو کو اپنے سامنے رکھ لیتا تھا، پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ اگر تیسری صدی میں کسی مفسر سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، تو ضروری ہے کہ نویں صدی کی

---

[21] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا

[22] ماہرِ قانون، میرپور یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی

[23] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:51

mwlānā ābwālklām āzād,trğmān ālqrān(lāhore, ārdw bāzār, ālfḍl mārket)v.01, p.51

تفسیروں تک وہ برابر نقل در نقل ہوتی چلی آئے۔ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ چند لمحوں کے لیے تقلید سے الگ ہو کر تحقیق کرے کہ معاملہ کی اصلیت کیا ہے؟"[24]

(12)زمانے کی بد ذوقی:

اس نکتے کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم تفاسیر کو اہل زمانہ نے ترک کر دیا جب کہ ان کا ذہن نئے اور جدید تفاسیر کی طرف مائل ہو گیا۔ چناچہ ہر زمانہ میں وہی تفاسیر مقبول ہوئیں جو قدما[25] کے محاسن سے خالی تھیں۔ آپؒ فرماتے ہیں:

"زمانے کی بد ذوقی نے بھی ہر کج اندیشی[26] کو سہارا دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرون اخیرہ[27] میں درس و تداول[28] کے لیے وہی تفسیریں مقبول ہوئی جو قدما کے محاسن سے یک قلم خالی تھیں۔"[29]

(13)متعدد اقوال میں سے کمزور کو ترجیح دینا:

اس نکتے میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بیان فرمایا ہے کہ تفاسیر میں مختلف اقوال میں سے کمزور قول کو ترجیح دینا بھی موانعِ حقیقت قرآن میں سے بڑا مانع ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"متداول تفسیریں اٹھا کر دیکھو جس مقام کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہوں گے، وہاں اکثر اسی قول کو ترجیح دیں گے جو سب سے زیادہ کمزور اور بے محل ہو گا، جو اقوال نقل کریں گے ان میں بہتر قول موجود ہو گا لیکن اسے نظر انداز کر دیں گے۔"[30]

---

[24] ایضاً، ج:01، ص:51

Ibid, v.1, p.51

[25] "قدما" "قدیم" کی جمع ہے، مراد متقدمین ہی ہیں / محولہ بالا

[26] کم فہمی، غلط فہمی، ناسمجھی / فیروز اللغات، محولہ بالا

[27] "قرون" جمع ہے "قرن" کی، مطلب ہے عرصہ ہائے دراز بحوالہ فیروز اللغات، ص:954

[28] "تداول" کہتے ہیں ایک دوسے کو پکڑنا، نقل، روایت / بحوالہ فیروز اللغات، ص:351

fyrwz ālġāt, p.954

[29] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:51

mwlānā ābwālklām āzād,trğmān ālqrān(lāhore, ārdw bāzār,ālfḍl mārket)v.01, p.51

[30] ایضاً، ص:51

Ibid, p.51

(14) تفسیر بالرائے سے اشکال وموانع کے باب کا کھلنا:

"تفسیر" کی تعریف اور اس کا ذکر اوپر ہو چکا، لیکن یہاں آگے بڑھنے سے پہلے "تفسیر بالرائے" پر ذرا سی روشنی ڈالتے ہیں:

تفسیر بالرائے کی وضاحت کے لیے دار لعلوم دیوبند کی ویب سائیٹ سے اقتباس ہے کہ:

"تفسیر بالرائے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت، جملہ یا کلمہ کی تشریح وتوضیح محض ذاتی رائے وسمجھ کی بنیاد پر کی جائے، قرآن فہمی کے جو اصول وشرائط ہیں، اُن کی رعایت وپاس داری نہ کی جائے۔ یہ تفسیر بالرائے سخت مذموم ہے اور حدیث پاک میں اس پر وعید بھی آئی ہے۔ اور اگر قرآن کریم کی کسی آیت، جملہ یا کلمہ کی تشریح وتوضیح، قرآن کریم کی کسی دوسرے آیت، جملہ یا کلمہ کی بنیاد پر ہو یا حدیث پاک میں آئی ہو یا قرآن فہمی کے اصول وشرائط کی رعایت کے ساتھ ہو تو وہ تفسیر صحیح ومعتبر ہے؛ البتہ اگر وہ تشریح وتوضیح کسی ایسے شخص کے اجتہاد پر مبنی ہو، جو تفسیر قرآن کی شرائط کا حامل ہو اور اس نے قرآن فہمی کے اصول وشرائط کی روشنی میں ہی وہ تشریح وتوضیح کی ہو تو گاہے اس پر بھی تفسیر بالرائے کا اطلاق ہو جاتا ہے؛ لیکن یہ تفسیر بالرائے محمود ہے، مذموم نہیں اور یہ حدیث پاک کی وعید میں بھی داخل نہیں ہے اور اس صورت میں "تفسیر بالرائے" کی تعبیر میں "رائے" سے اجتہاد صحیح ومعتبر مراد ہو گا۔"[31]

اس کے علاوہ مولاناؒ نے بھی تفسیر بالرائے پر تفصیل سے بحث کی ہے جس کا حاصل وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکا لیکن جو ہمارا موضوع ہے اور جس کی مولانا آزادؒ نے نشاندہی کی ہے وہ یہی ہے کہ تفسیر بالرائے سے اشکالات کا ایک بہت بڑا اور نہ بند ہونے والا دروازہ کھل گیا۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"اشکال وموانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ وسلف کی روحیں لرزتی رہتی تھیں۔"[32]

---

[31] (تاریخ رسائی:18اپریل2022ء) shorturl.at/msFNW

[32] مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن (لاہور، اردو بازار، الفضل مارکیٹ، س ن) ج:01، ص:51

mwlānā ābwālkām āzād, trğmān ālqrān(lāhore, ārdw bāzār, ālfḍl mārket)v.01, p.51

آپؒ نے تفسیر بالرائے پر جو بحث کی ہے اس پر مزید غور کرکے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپؒ کی تفسیر بالرائے سے مراد وہ تفسیر ہے جو مقلد اپنے امام کے مؤقف کو بہر صورت درست ثابت کرنے میں کرے اور قرآنی آیتوں کو کھینچ تان کر اسی مؤقف کے مطابق کردے۔

عصرِ حاضر میں قرآن فہمی کے تقاضے و مشکلات اور ان کا حل:

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے مقدمے میں چودہ (14) ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو اس راہ میں رکاوٹ ہیں اور جن کا ذکر اوپر تفصیل سے ہو گزرا۔ لیکن عصرِ حاضر میں بھی ایسی بہت سی رکاوٹیں ہیں جن کا ذکر کرنا اور جن کی نشاندہی کرنا ضروری ہے۔

1۔ لاریب کہ عصرِ حاضر میں فرقہ واریت بلکہ "متشدد فرقہ واریت" کا عروج ہے۔ ہر مسلک و فرقے کے لوگ قرآن کی آیتوں کو کھینچ کھینچ کر اس طرح کی تاویلات کرتے ہیں کہ گویا ان ہی کا مسلک ٹھیک ہے اور اکثریت قرآن کی خود ساختہ تفسیر کرتی دکھائی دیتی ہے جس سے مزید نت نئے مسالک و جماعتیں وجود میں آرہی ہیں، جو مزید اختلافات کا باعث ہیں۔ اسی لیے فرقہ واریت اس دور کی ایک ایسی بلا ہے جو فہمِ قرآن میں بڑی رکاوٹ ہے۔

علماء و ذمہ داران اگر مسلک و فرقہ کے خولوں سے نکل کر معتدل انداز میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں تو انشاءاللہ قرآن کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔

2۔ تحقیق اگر اخلاص اور اعتدال سے کی جائے تو کسی بھی شے کی حقیقت ہم پر ظاہر ہو سکتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں تحقیق کا مادہ بالکل ختم ہو چکا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ختم کرایا گیا ہے تو درست ہو گا۔ کیونکہ مدارس و علما میں ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں جو غیر جانبدارانہ طریقے سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ بلکہ بعض علاقوں میں تو تحقیق کو علما اچھی نظر سے بھی نہیں دیکھتے، صرف تقلید پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور تقلید کی راہ سے پھر جانے والوں کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔

اس کا حل یہی ہے کہ امت میں اور بالخصوص مدارس میں محققانہ مزاج کو پروان چڑھایا جائے اور اس مزاج کی ترویج کے لیے مختلف ضروری اقدامات کیے جائیں۔

3۔ عصرِ حاضر میں کثیر تعداد میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر موجود ہیں۔ ہر عام و خاص اسی پر اکتفا کرتا ہے، ہر مسلک والے اپنے کسی بڑے کے ترجمے یا تفسیر کو اپنے لیے معیار سمجھتے ہیں، پھر چاہے اس میں غلطیاں کتنی ہی ہوں، وہ انہی پر اکتفا کرتے ہیں، اور انھیں ٹھیک کرنے کے بجائے ان غلطیوں کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔

اس لیے کم از کم علماء حضرات کے لیے یہ ضروری ہے کہ انھیں قرآن کی زبان پر ہی دسترس حاصل ہو، تاکہ تراجم میں ہونے والے نقصان سے بچا جائے۔

4۔ سائنس و ٹیکنالوجی بھی قرآن فہمی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ آج کل ہر خاص وعام کے ہاتھ میں موبائیل فون ہے، دنیا نے گلوبل ویلج کی شکل اختیار کی ہے، اس نفسا نفسی کی دور میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں ہر کوئی فیس بک، وٹس ایپ اور دیگر سوشل میڈیا ایپس پر لگا ہوا ہے، جنوری 2022ء کے رپورٹ کے مطابق اس وقت تقریبا 83 میلین افراد انٹرنیٹ استعمال کر رہے ہیں جن میں سے آف لائن رہنے والوں کی تعداد الگ ہے۔ اس تعداد میں سے تقریبا 71 میلین افراد سوشل میڈیا کا استعمال کر رہے ہیں[33]، تو ہمارے قوم کا مزاج ہی قرآن فہمی کی طرف راغب نہیں تو ایسے میں کیونکر قرآن کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے؟ اسی لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان چیزوں کا استعمال کم سے کم کیا جائے اور جگہ جگہ قرآن فہمی اور تفسیری حلقوں کا اہتمام کیا جائے۔

خلاصہ بحث:

جہاں تک ہم نے سمجھا وہ یہی تھا کہ حقیقتِ قرآن کو دانستہ یا غیر دانستہ طریقوں سے مختلف پردوں میں ڈھانپا گیا۔ اب اس کے اسباب و موانع کیا کیا ہیں؟ تو اس کے لیے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس مشکل موضوع کو نہایت جامع انداز میں چودہ (14) نکات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد کا نکتہ نظر یہ ہے کہ اگر قرآن کو فطری طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس کی حقیقیت بنی نوع انسان پر ظاہر ہو سکتی ہے جیسا کہ سلف کی تفسیر جو کہ عصری عوامل اور ذوق عربیت پر ہے، اس کی عمدہ مثال ہے، لیکن بعد میں مصطلحات، نت نئ آراء، تفسیر قرآن کے ضمن میں اپنے نظریات کی اشاعت، اور قرآن کو عصر حاضر کی تحقیقات سے جوڑنا وغیرہ ایسے عوامل ہیں جو عوام الناس کے لیے قرآن فہمی کو اگر ناممکن نہیں بناتے تو مشکل ضرور بناتے ہیں۔

تجاویز و سفارشات:

قرآن فہمی کے لیے جو چیز سب سے اہم اور ضروری ہے وہ قرآن فہمی کا شوق ہے۔ شوق ہی قرآن کو سمجھنے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اگر قرآن کو سمجھنے کا شوق ہی نہیں رہا تو پھر اس کی حقیقت کیونکر سامنے آسکتی ہے۔ اس شوق کو

---

[33] shorturl.at/noACN

پورا کرنے کے لیے پہلی شرط عربی زبان و ادب کا سیکھنا ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں فرقوں اور مسالک کے خولوں سے نکل کر تحقیق کے میدان میں اُترنا پڑے گا، جگہ جگہ قرآنی حلقے قائم کرنے ہوں گے اور عصرِ حاضر کے فکری اثرات سے مرعوب نہ ہوں گے۔ اسی طرح غیر ضروری بحثوں اور الجھنوں سے نکل کر اگر ہم قرآن کے مرکزی مقاصد و مہمات کی طرف توجہ دیں گے تو قرآن کی حقیقت ہر خاص و عام پر واضح ہو سکتی ہے۔

ذکر کردہ نکات میں متعلقہ مسائل کی نشاندہی تو کی گئی ہے لیکن ان نکات کو مزید سمجھانے کے لیے مولاناؒ کے ہاں مثالوں کی کمی نظر آتی ہے۔ اس لیے اگر ان نکات پر مزید تحقیق کی جائے اور ہر ایک نکتے اور مسئلے کی مثالیں ڈھونڈ کر متعلقہ عنوانات کے تحت جمع کیں جائیں تو بے شک اس پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے، درحقیقت یہ نکات اس قابل ہیں کہ اس پر مزید اور خوب تحقیق کی جائے۔